میرزا ادیب

(۱۹۱۴ء............۱۹۹۹ء)

میرزا ادیب کا اصلی نام دلاور علی اور قلمی نام میرزا ادیب ہے۔ ۱۹۳۱ء میں اسلامیہ ہائی سکول بھاٹی گیٹ سے میٹرک کرنے کے بعد انھوں نے ۱۹۳۵ء میں اسلامیہ کالج لاہور سے بی۔اے آنرز کیا۔

میرزا ادیب کی ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۳۶ء سے ہوا۔ اس زمانے میں اسلامیہ کالج لاہور میں بہت سی علمی و ادبی شخصیتیں موجود تھیں جنھوں نے میرزا کے ادبی ذوق کو پروان چڑھانے میں معاونت کی۔ میرزا نے ابتدا میں شعروشاعری کی طرف توجہ دی مگر جلد ہی اسے ترک کر کے افسانہ اور ڈراما نگاری کی طرف آ گئے۔

انھوں نے ۱۹۳۵ء میں رسالہ ''ادبِ لطیف'' کی ادارت سنبھالی اور طویل عرصے تک اس سے وابستہ رہے۔ پھر ریڈیو پاکستان میں ملازم ہو گئے۔

میرزا ادیب یک بابی اور ریڈیائی ڈراما نگاری میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ تقسیمِ ہند کے بعد اُردو ادب میں یک بابی ڈرامے کو جو فروغ ملا، اس میں میرزا ادیب نے اہم کردار ادا کیا۔ وہ معاشرے کے نبض شناس تھے، اس لیے ان کے ڈراموں کے موضوعات عام اور روزمرہ زندگی سے متعلق ہیں۔ اپنے معاشرے کی انسانی خواہشات اور توقعات کو میرزا ادیب نے خاص اہمیت دی ہے۔

میرزا ادیب نے کردار نگاری کے سلسلے میں بھی گہرے مشاہدے، انمول بصیرت اور فنکارانہ گرفت سے کام لیا ہے۔ انھوں نے زندگی کے عام کرداروں کو ڈرامائی کرداروں کا درجہ دیا ہے۔ ان کے مکالمے نہایت برجستہ، مختصر اور برمحل ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ڈراموں میں قاری یا ناظر کی دلچسپی شروع سے آخر تک قائم رہتی ہے جو کسی کامیاب ڈراما نگار کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔ ان کے ڈراموں کے اہم مجموعوں کے نام یہ ہیں: ''آنسو اور ستارے''، ''لہو اور قالین''، ''ستون''، ''فصیلِ شب''، ''خاک نشیں''، ''پسِ پردہ'' اور ''شیشے کی دیوار''۔ ان کے علاوہ ''صحرانورد کے خطوط''، ''صحرانورد کے رومان'' اور ''مٹی کا دِیا'' (آپ بیتی) ان کی زندہ رہنے والی کتابیں ہیں۔

میرزا ادیب

لہو اور قالین

مقاصد تدریس

۱۔ طلبہ کو اُردو میں سنجیدہ ڈراموں کی روایت سے آگاہ کرنا۔
۲۔ طلبہ کو اپنے معاشرے میں موجود ریاکار کرداروں سے روشناس کرانا۔
۳۔ تحریر کے ذریعے جذبوں کے اظہار کے سلیقے سے متعارف کرانا۔

کردار

بابا .... نوکر
تجمل .... ایک سرمایہ دار
اختر .... مصوّر
رؤف .... تجمل کا پرائیویٹ سیکرٹری

منظر

سردار تجمل حسین کی کوٹھی ''النشاط'' کا ایک وسیع کمرا۔ یہ کمرا اختر اسٹوڈیو کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ نہایت اعلیٰ فرنیچر سے آراستہ، فرش پر قالین، دیواروں پر مشہور مصوّروں کے شاہکار۔ ایک طرف ریڈیو سیٹ۔ کچھ فاصلے پر صوفا سیٹ اور کرسیاں۔ شمالی دیوار کے ساتھ لگی ہوئی دونوں الماریوں میں مجلد کتابیں۔ کارنیس اور تپائیوں کے اوپر تر و تازہ پھولوں سے مزیّن گل دان، دروازے اور کھڑکیوں پر ریشمی پردے۔ وسط میں ایزل پر کینوس جو ابھی تک سادہ اور صاف ہے۔ قریب ایک تپائی پر رنگوں کے ڈبے، چینی کی چھوٹی چھوٹی پیالیاں، طرح طرح کے قلم اور مصوّری کا دوسرا سامان۔ گرمیوں کے ابتدائی زمانے کی ایک صبح، روشن دانوں میں سے دھوپ اندر آرہی ہے۔ جب پردہ اٹھتا ہے تو بابا جھاڑن سے کمرے کی چیزیں صاف کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ دو چار لمحوں کے بعد تجمل آتا ہے۔ تجمل کی عمر چالیس اور پینتالیس کے درمیان ہوگی، صحت نہایت اچھی، جسم پر قیمتی سوٹ۔

تجمل: یہ اختر کہاں ہے بابا؟

بابا: اُدھر باغ میں ہیں سرکار!

تجمل: ابھی تک باغ میں۔ وہاں کیا کر رہے ہیں؟

بابا: ٹہل رہے ہیں۔ میں نے کہا بھی، سرکار ناشتا تیار ہے اندر آجائیں، مگر انھوں نے تو مجھے جھڑک دیا۔ ابھی تک دھوپ میں ٹہل رہے ہیں۔ رات سرکار (خاموش ہو جاتا)

تجمل: رات کیا؟

بابا: میں تو ڈر ہی گیا تھا۔ ہوا یہ سرکار کہ میری اچانک آنکھ کھل گئی۔ دیکھتا کیا ہوں کہ باغ میں کوئی شخص گھوم رہا ہے۔ شور مچانے ہی والا تھا کہ اختر میاں کے ہاتھ میں اُن کی چھڑی نظر آ گئی۔

تجمل: اس قسم کے لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے، ہر وقت کسی نہ کسی سوچ میں ڈوبے رہتے ہیں، الگ تھلگ رہنا چاہتے ہیں۔

بابا: سرکار! میں تو نہ خود یہاں آتا ہوں اور نہ کسی کو یہاں آنے دیتا ہوں۔ ذرا صفائی کے لیے پانچ دس منٹ کے لیے آ جاتا ہوں۔ میں نے کہا سرکار!

تجمل: کیا ہے؟

بابا: شاید کچھ ایسے ایسے ہیں چند روز سے۔

تجمل: پھر وہی بات، ایک بار کہہ جو دیا، تم فن کاروں کو نہیں سمجھ سکتے۔ یہ ہر وقت یوں ہی پریشان رہتے ہیں۔

بابا: (کچھ نہ سمجھتے ہوئے) اچھا سرکار!

تجمل: بلالاؤ انھیں، جلدی کرو۔

بابا: بہتر! (بابا کمرے سے نکل جاتا ہے۔ تجمل آگے بڑھ کر کینوس کو دیکھنے لگتا ہے، اختر آتا ہے، ادھیڑ عمر کا شخص، سر کے بال بکھرے ہوئے۔ آنکھیں شب بیداری کی وجہ سے سرخ، لباس پاجامہ اور قمیص۔ آستینیں چڑھی ہوئیں، آنکھوں کے گرد حلقے زیادہ نمایاں)

اختر: (تجمل کی طرف دیکھے بغیر) کہیے!

تجمل: بڑی دیر تک ٹہلتے رہے ہو آج۔

اختر: جی ہاں۔

تجمل: ایک بہت بڑی خوش خبری سنانے آیا ہوں تمھیں، ابھی ابھی میرے ایک دوست نے فون کیا ہے، ججوں نے تمھاری تصویر کو اوّل انعام کا مستحق قرار دیا ہے۔ میں نے تفصیل معلوم کرنے کے لیے رؤف کو بھیج دیا ہے۔ ابھی آ جائے گا۔

اختر: مجھے اخبار سے معلوم ہو چکا ہے۔

تجمل: (اختر کی بے نیازی پر متعجب) تمھیں اس کا علم تھا اور۔

اختر: اخبار صبح سویرے مل جاتا ہے۔

تجمل: تمھیں یہ خبر سن کر اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی ہونی چاہیے تھی۔ میرا خیال ہے یہ تمھارا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ (اختر خاموش ہے) تم نے ملک کے تمام مصوّروں کے مقابلے میں یہ انعام جیتا ہے۔ یہ کوئی معمولی اعزاز نہیں ہے۔ میں نے اس خوشی پر آج شام

چائے کا اہتمام کیا ہے۔ تمھیں مبارک باد دینے شہر کے معززین آ رہے ہیں۔ سنا تم نے؟

(اختر خاموش ہے)

تجمل: کیا کہا؟

اختر: کچھ نہیں۔

تجمل: کچھ نہیں! (اختر کے چہرے کو غور سے دیکھ کر) شاید بابا نے غلط نہیں کہا تھا۔ معلوم ہے اس نے کیا کہا تھا؟

اختر: جی نہیں۔

تجمل: اس نے کہا تھا (مسکرا کر) ہمارے مصوّر کے ساتھ کچھ گڑ بڑ ہے ان دنوں، تمھارا کیا خیال ہے اپنا؟

اختر: صحیح کہا تھا اس نے!

تجمل: یعنی کہ............

اختر: یہی کہ یہاں سے رخصت ہونا چاہتا ہوں۔

تجمل: کیا کہا؟ (لہجے میں حیرت) رخصت ہونے کی ضرورت؟

اختر: میرا دل چاہتا ہے۔

تجمل: کوئی شکایت؟ کوئی تکلیف؟

اختر: کوئی شکایت نہیں۔

تجمل: پھر بات کیا ہے؟ اگر کوئی تکلیف ہے تو صاف کیوں نہیں کہ دیتے۔ تمھارے لیے کیا کچھ نہیں کیا گیا اور کیا کچھ نہیں کیا جائے گا؟

اختر: میں اس کے لیے آپ کا شکر گزار ہوں، پھر بھی۔

تجمل: پھر بھی کا کیا مطلب؟

اختر: مجھے جانا ہی چاہیے۔

تجمل: بے وقوف نہ بنو اختر! یہ بیٹھے بیٹھے آج تمھیں کیا ہو گیا ہے؟

اختر: اس کا جواب دے چکا ہوں۔

تجمل: اگر تمھیں کچھ نہیں ہوا تو اس بے وقوفی کی وجہ؟ ذرا سوچو تو، یہاں آ کر تم نے کتنے بڑے کارنامے انجام دیے ہیں۔ کتنی زبردست قدر و منزلت حاصل کی ہے، اس سے بڑی عزت کیا ہوگی کہ آج تم ملک کے بہترین مصوّر سمجھے جاتے ہو اور کیا چاہیے تمھیں؟

اختر: اس کے لیے میں آپ کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

تجمل: مجھے شکریے کی ضرورت نہیں۔ صاف صاف بتاؤ تمھیں تکلیف کیا ہے؟ کس چیز کی کمی محسوس ہوتی ہے اور کیا چاہیے تمھیں؟

اختر: مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ رخصت ہونے کی اجازت دیجیے۔

تجمل: اس پاگل پن کی اجازت کیوں کر دے سکتا ہوں؟

اختر: آخر کیوں؟

تجمل: اس کی وجہ تم نہیں جانتے کیا؟

(اختر خاموش رہتا ہے) سنا ہے آرٹسٹوں پر کبھی کبھی دورے بھی پڑتے ہیں۔ شاید (اختر کی طرف مُسکرا کر دیکھتا ہے، اختر کا چہرہ بدستور سنجیدہ ہے) کچھ اس قسم کی بات معلوم ہوتی ہے۔

اختر: مجھے مجبور نہ کیجیے۔

تجمل: کیا حماقت ہے! ایک شخص کو دلدل سے نکالا جاتا ہے اور جب وہ کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر اسی دلدل میں چھلانگ لگانے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

اختر: میرے فن کی بہتری اسی میں ہے کہ یہاں سے چلا جاؤں۔

تجمل: فن کی بات کرتے ہو۔ یہاں آنے سے پہلے بھی تمھارے پاس فن تھا اور...... آج بھی ہے، مگر دونوں میں کتنا فرق ہے؟ تم خود نہیں جانتے یہ فرق؟

اختر: کیا آپ سمجھتے ہیں میں آپ کا شکر گزار نہیں ہوں!

تجمل: اختر!

اختر: فرمائیے۔

تجمل: اگر تم سنجیدگی سے یہ بات کر رہے ہو، تو سُن لو، میں تمھیں جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ یہ میری توہین ہے، لوگ کیا کہیں گے؟

اختر: لوگوں کو میرے اور آپ کے ذاتی معاملے سے کیا واسطہ؟

تجمل: تم دنیا سے الگ تھلگ رہ کر مصوّری کرتے رہتے ہو۔ تمھیں معلوم نہیں لوگ اس قسم کے واقعے پر کیا کچھ کرتے ہیں۔ سب کہیں گے ایک غریب اور قلّاش مصوّر کو جھونپڑی میں سے نکال کر لایا، دکھاوے کے لیے اور پھر اُسے واپس بھیج دیا، کیا یہ میری توہین نہیں ہے؟

اختر: (بھونچکا ہوکر) توہین؟ توہین کیسی؟

تجمل: اتنی موٹی سے بات بھی نہیں سمجھ سکتے۔

اختر: صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ آپ نے مجھے خرید لیا ہے اور اب میں آپ کے رحم وکرم پر ہوں۔

تجمل: یہ بات نہیں ہے، اختر (ملائمت سے) غور کرو کتنی عجیب حالت ہوگی میری۔ میں نے فرداً فرداً کئی دوستوں کو چائے کی دعوت دے دی ہے، وہ ضرور شام کو آئیں گے۔

اختر: میرے جانے یا نہ جانے سے اس دعوت پر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟

تجمل: میں سمجھتا ہوں نا فرق پڑتا ہے۔ اب اس پاگل پن کو چھوڑو اور اطمینان کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔

اختر: آپ مجھے اس طرح روک نہیں سکتے۔

تجمل: روک نہیں سکتے! خوب! جس شخص کو میں اپنا سمجھ رہا ہوں اس پر مجھے اتنا حق بھی نہیں ہے کہ اسے کسی پاگل پن سے روک سکوں۔ آج تم اتنی بلندیوں پر پہنچ گئے ہو، اس لیے جانا چاہتے ہو، تم میں اس بات کا احساس نہیں کہ تمھیں ان بلندیوں تک پہنچانے میں، میں نے بھی کچھ حصّہ لیا ہے۔

اختر: آپ اصرار کرتے ہیں تو سُنیے۔ جس اختر کو آپ ایک تنگ و تاریک کوٹھری سے نکال کر اپنے محل میں لائے تھے، وہ مصور اختر مر چکا ہے اور جو شخص آپ کے سامنے کھڑا ہے اور جس کے لیے یہ شاندار اسٹوڈیو بنایا گیا ہے، وہ اس کی چلتی پھرتی لاش ہے۔

تجمل: معلوم ہوتا ہے دورہ بہت شدید ہے۔ مجھے ڈاکٹر کو فون کرنا چاہیے۔
(تجمل جانے لگتا ہے اختر اس کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے۔)

اختر: (لہجے میں کسی قدر تحکم) ٹھہریے اور سب کچھ سُن کر جائیے۔ میں نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی حقیقت بیان کر دی ہے۔

تجمل: یہ سب سے بڑی حقیقت ہے یا نہیں، اس کا فیصلہ ڈاکٹر کو کرنا چاہیے۔

اختر: آپ ابھی تک اِسے ایک مذاق سمجھ رہے ہیں حالانکہ میں بالکل نارمل ہوں۔ ابھی تک آپ تصویر کا ایک ہی رُخ دیکھ رہے ہیں اور اب اس کا دوسرا رُخ دیکھیے جو اتنا بھیانک اور اتنا خوفناک ہے کہ آپ کے تصوّرات کا شیش محل ابھی زمین بوس ہو جائے گا۔ گزشتہ ڈیڑھ برس میں جتنی تصویریں میرے نام کے ساتھ اس شاندار محل سے باہر گئی ہیں، ان میں سے ایک بھی میری نہیں ہے۔

تجمل: (اختر کو گھورتے ہوئے) معاملہ اتنی دور تک جا پہنچے گا، مجھے اس کا وہم وگمان بھی نہیں تھا۔ اختر میرا مشورہ یہ ہے کہ اس وقت آرام کرو۔ تمھیں مکمل آرام کی سخت ضرورت ہے۔

اختر: ذرا تحمل سے کام لیجیے۔ مجھے جو کچھ کہنا ہے، کہنے دیجیے۔

تجمل: تم پاگلوں کی سی باتیں کر رہے ہو، تحمل سے کام خاک لوں!

اختر: جب آپ کو پوری حقیقت معلوم ہو جائے گی، اُس وقت فیصلہ کیجیے کہ یہ پاگل پن ہے یا کچھ اور۔

تجمل: یہ پاگل پن نہیں تو اور کیا ہے؟ آخر گزشتہ دو سال سے تم میرے مہمان ہو، اس دوران میں تم نے کئی تصویریں بنائی ہیں، جو شہر کے معزز لوگوں کی کوٹھیوں میں آویزاں ہیں۔ ان میں سے اکثر میں نے تحفتاً اپنے دوستوں کو دی ہیں۔ یہ سب کی سب تمھاری ہیں، تمھاری اپنی تخلیق ہیں، لیکن آج تم کہ رہے ہو، ان میں سے ایک بھی میری نہیں ہے۔ کوئی اور سنے گا تو کیا کہے گا؟

اختر: مجھے اس کی پروا نہیں کہ کوئی اور سُنے گا تو کیا کہے گا۔ میرے لیے یہ کش مکش ناقابلِ برداشت ہو چکی ہے۔ اس خلش نے مجھے بے قرار کر دیا ہے۔ یہ فریب اب زندہ نہیں رہ سکتا۔

تجمل: فریب؟ آج تمھیں کیا ہو گیا ہے اختر، کاش میں کچھ سمجھ سکتا کہ تمھاری اس پریشانی کی وجہ کیا ہے؟ ڈاکٹر کو تم بلانے نہیں دیتے، میں کیا سمجھوں آخر؟

اختر: آپ سب کچھ سمجھ جائیں گے، یہ کوئی معمّا نہیں ہے۔ سُنیے! جیسا کہ آپ جانتے ہیں، آج سے دو سال پہلے میں ایک تنگ و تاریک گلی کے ایک خستہ اور بدنما مکان میں رہتا تھا۔ بہت کم لوگ مجھے جانتے تھے اور جو جانتے تھے، انھیں میرے متعلق صرف یہی معلوم تھا کہ میں ایک مفلس، قلاش اور گمنام مصوّر ہوں۔ میں نے بے شمار تصویریں بنائی تھیں مگر وہ تمام کی تمام کباڑیوں یا نیلام گھروں میں پہنچ کر کوڑیوں کے بھاؤ بِک چکی تھیں۔ زندگی اسی حالت میں گزر رہی تھی کہ اتفاقاً تصویروں کی ایک نمائش گاہ میں میری آپ سے ملاقات ہوگئی۔ آپ نے میری تصویروں میں دلچسپی لی اور مجھے اسی شام کو اپنے ہاں چائے پر بلا لیا۔ میں اپنے ہزاروں ہم پیشہ بھائیوں کی طرح غربت کی چکی میں پس رہا تھا۔ یہ کوئی ایسی بات نہ تھی جو چھپی رہ سکتی۔ آپ نے میری حالت کا اندازہ لگا لیا اور اس بات پر اصرار کیا کہ میں اپنے غربت کدے سے نکل کر آپ کے ہاں آجاؤں تاکہ اطمینان کے ساتھ فن کی خدمت کر سکوں۔ آپ نے میرے لیے یہ کمرا وقف کر دیا اور مجھے زندگی کی ضروریات سے بے نیاز کر دیا۔

تجمل: ان باتوں کے ذکر کی کیا ضرورت ہے؟

اختر: میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ آپ کے سلوک نے مجھ پر کتنا اثر ڈالا۔ میں سمجھنے لگا، آپ نہایت اونچے درجے کے انسان ہیں۔ دولت مند ہونے کے باوجود آپ کے پہلو میں ایک ایسا دل دھڑک رہا ہے، جو انسانیت نواز ہے، جس میں ساری دنیا کا درد سمایا ہوا ہے۔ آپ نے اپنے دوستوں کو بلا کر انھیں میری تصویریں دکھائیں، آپ نے بڑے بڑے اداروں کے

دفتروں میں میری تصویریں آویزاں کرائیں، آپ نے میری شہرت کے لیے میری تخلیقات رسائل و جرائد میں چھپوائیں۔ سچ مچ اس وقت آپ میری نظروں میں ایک دیوتا تھے، ایک فرشتہ تھے، ایک ایسی ہستی تھے، جس کی تعریف ہمارے قصّوں اور کہانیوں میں کی گئی ہے۔

تجمل: میں نہیں سمجھ سکتا۔ اس ذکر سے تمھارا مقصد کیا ہے؟

اختر: مگر تھوڑے عرصے بعد ہی ایک بھیانک خیال اپنا منحوس سایہ میرے ذہن میں ڈالنے لگا۔ مجھے محسوس ہونے لگا کہ میں نے آپ کی ذات کے بارے میں جو کچھ سوچا ہے، وہ محض میری اپنی خوش فہمی ہے، حقیقت کچھ اور ہے۔

تجمل: کیا مطلب؟

اختر: مجھ پر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ آپ کی سر پرستی تو محض ایک اشتہار ہے، آپ کی مصوّر نواز شخصیت کا۔ اس سر پرستی میں آپ کا ایک خاص مقصد چھپا ہوا ہے۔

تجمل: کیا کہہ رہے ہو تم؟

اختر: آپ مجھے نواز رہے تھے مگر ایک خاص مقصد کی خاطر اور وہ مقصد یہ تھا کہ آپ سوسائٹی کو بتانا چاہتے تھے، دیکھو میں کتنا اچھا ہوں، میں نے ایک غریب اور مفلس مصوّر کو اپنے ہاں پناہ دی ہے۔ اب یہ جو کچھ بنا رہا ہے محض میری سر پرستی کا نتیجہ ہے۔ میں نے اس کی صلاحیتوں کو زندہ رکھا ہے ورنہ یہ کب کی ختم ہو چکی ہوتیں۔ جس طرح بڑی بڑی دکانوں کے دروازوں پر انسانی پیکروں کو نہایت خوب صورت اور شفاف لباس پہنا کر انھیں الماریوں کے اندر سجا دیا جاتا ہے تاکہ لوگ ان حسین و جمیل مجسموں کو دیکھ کر دکانداروں کے اعلیٰ ذوق اور ان کی شان و شوکت سے مرعوب ہو جائیں، اسی طرح آپ بھی اپنی امارت اور اپنی شخصیت کی نمائش کے لیے میری ذات اور میرے فن کو استعمال کر رہے تھے۔

تجمل: (غصّے سے) یہ جھوٹ ہے۔ سراسر جھوٹ ہے۔

اختر: اور آپ کہہ بھی کیا سکتے ہیں، مگر بلند آواز سے حقیقت نہیں بدل سکتی۔ آپ کے یہاں میری یہی حیثیت تھی اور جس وقت مجھے اس کا احساس ہوا، مجھے محسوس ہوا جیسے میری اہلیتوں پر برف کی تہہ جم گئی ہے۔ میرے سینے میں ایک بھی شرارہ باقی نہیں رہا۔ یہ احساس میرے لیے سُوہانِ روح ثابت ہو رہا تھا کہ اپنے جگر کا خون دے دے کر میں نے فن کی جس شمع کو اب تک روشن رکھا ہے، اس کا مقصد آپ کی شاندار کوٹھی اور آپ کی شخصیت کو جگمگانے کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں۔ ایک فنکار یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتا کہ اس کا فن اپنا اصلی جوہر کھو کر کسی کے لیے محض ایک ذریعۂ شہرت بن کر رہ جائے۔ انھی دنوں مجھے ایک ہم پیشہ دوست مل گیا جو بدستور غربت کی چکی میں پس رہا تھا۔ میں نے اسے اپنی ذہنی کیفیت بتائی اور التجا کی کہ وہ مجھے اپنے ہاں رہنے کی جگہ دے دے۔ یہ سُن کر اس نے کہا، دیکھو! اگر تم آج کل تصویریں نہیں بنا سکتے تو

کوئی حرج کی بات نہیں۔ تمھارے لیے میں تصویریں بناتا رہوں گا، تم مجھے اتنے پیسے دے دیا کرو کہ میں اور میرا خاندان عزت و آبرو کے ساتھ زندہ رہ سکیں۔ یہ تجویز میرے لیے ناقابلِ برداشت تھی مگر اس کا اصرار کم نہیں ہوتا تھا۔ اس طرح وہ کھیل شروع ہوگیا جو دنیا کا سب سے گندہ اور ذلیل کھیل ہے۔ مجھے یہاں روپے حاصل کرنے میں کوئی دِقّت پیش نہیں آتی تھی۔ یہ روپے میں اسے دے دیتا تھا اور وہ مجھے اپنی تصویریں۔

تجمل: ان تصویروں کو تم............

اختر: اپنی تخلیق بنا کر پیش کر دیتا تھا۔

تجمل: (تجمل اس انداز سے اختر کو دیکھتا ہے جیسے ان الفاظ سے اسے دھچکا سا لگا ہو) تم مجھے دھوکا دیتے رہے اب تک۔

اختر: دھوکا یا کچھ اور، بہر حال واقعہ یہ ہے کہ نیازی کو وقتاً فوقتاً سکّے ملتے رہے، مجھے بنی بنائی تصویریں اور آپ کو فن کی قدر افزائی اور مصوّر نوازی کے لیے سوسائٹی میں عزت و احترام۔

تجمل: میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اتنی پست سطح پر اتر چکے ہو۔

اختر: میں نے خود کبھی نہیں سوچا تھا لیکن اس سطح پر اُترنے کے لیے مجبور تھا۔ نیازی نے مجھے کئی تصویریں دی ہیں۔ یہ تصویریں آج آپ جیسے معزز لوگوں کے ڈرائنگ روموں کی زینت ہیں۔ وہ پہلے کی طرح مفلس نہیں ہے۔ وہ اپنی بہن کی شادی کر چکا ہے۔ اسے روٹی اور کپڑے کی بھی تکلیف نہیں۔ اب مالک مکان بھی اسے پریشان نہیں کرتا، مگر میں جانتا ہوں کہ اس کے دل کی کیا کیفیت ہے۔ اپنی اولاد کو چند سکوں کے عوض دوسروں کو سونپ دینا ایک ایسا تکلیف دِہ واقعہ ہے، جس کا اندازہ آپ نہیں لگا سکتے۔ آج جب اس نے سنا ہوگا کہ اس کی بنائی ہوئی تصویر اوّل انعام کی مستحق قرار پائی ہے، تو اس کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔ وہ کیا سوچے گا؟ میں اس تصور ہی سے کانپ جاتا ہوں۔

تجمل: تو اب تک تم نے ہمیں دھوکے میں رکھا۔ اپنی نالائقی چھپاتے رہے۔ میں نے اتنی آسائشیں بے کار مہیا کی تھیں!

اختر: آپ ان کی قیمت وصول کر چکے ہیں۔ ہمیشہ کی طرح اس سودے میں آپ ہی کو فائدہ ہوا ہے۔

تجمل: اس قدر فریب دینے کے بعد اپنے محسن کو جلی کٹی سناتے ہوئے تمھیں شرم نہیں آتی؟

اختر: مجھے شرم کیوں آئے گی؟ شرم تو آپ لوگوں کو آنی چاہیے جو بلندیوں پر پہنچنے کے لیے ہزاروں انسانوں کو اپنی سیڑھی بنا لیتے ہیں۔ جو ایک فن کار کی سرپرستی بھی کرتے ہیں تو اپنے مطلب کے لیے۔

تجمل: اپنے گریبان میں مُنھ ڈال کر دیکھو کہ تم کیا ہو؟ احسان فراموش، چور، مجرم۔

اختر: میں سب کچھ ہوں مگر تم۔ تم کیا ہو، یہ بھی تو کہو؟

تجمل: میں؟

اختر: ہاں تم۔ بتاؤ، خاموش کیوں ہو، بتاتے کیوں نہیں۔ دوسرے کے جُرم دیکھ لیتے ہو۔ دوسروں کو مجرم کہتے ہو، مگر اپنے متعلق کچھ نہیں کہتے۔ بتاؤ کون ہو تم؟

رؤف: (رؤف آتا ہے۔ دونوں خاموش ہو جاتے ہیں۔) وہ خبر بالکل درست ہے جناب۔ پہلا انعام اختر صاحب ہی کو ملا ہے۔ یہ رہا اخبار (بغل سے اخبار نکالتا ہے۔) آپ............(دونوں کو اس حالت میں دیکھ کر حیران ہو جاتا ہے۔)

تجمل: تم جاؤ اس وقت۔

رؤف: بہتر جناب! (رؤف دروازے کی طرف جانے لگتا ہے، پھر ٹھہر جاتا ہے۔)
اوہ یاد آ گیا۔ مسٹر اختر آپ کا کوئی واقف کار راستے میں ملا تھا۔ اس نے ایک پیغام دیا ہے آپ کے نام۔
آپ کا کوئی مصوّر دوست تھا، نیازی۔

اختر: ہاں کیا ہوا اسے، جلدی بتاؤ؟

رؤف: افسوس آج صبح اس نے خودکشی کر لی۔

اختر: خودکشی!

رؤف: جی ہاں۔ ہسپتال جانے سے پہلے مر چکا تھا۔

اختر: (تجمل سے) سُنا تم نے، ابھی پوچھ رہے تھے میں کیا ہوں، اب تو تمھیں معلوم ہو گیا ہو گا کہ تم کیا ہو۔ تم قاتل ہو، یہ قتل تم نے کیا ہے۔

تجمل: (غصّے سے گرج کر) بکواس بند کرو۔

اختر: قانون تمھیں کچھ نہیں کہے گا، مگر انسانیت کی نظروں میں تم قاتل ہو۔ تم نے دو قتل کیے ہیں، ایک مصوّر کے فن کو موت کے گھاٹ اتارا ہے اور دوسرے مصوّر کی جان لے لی ہے۔ یہ قتل نہیں تو اور کیا ہے اور قتل کیا ہوتا ہے؟

تجمل: نکل جاؤ یہاں سے کمینے، پاجی، احسان فراموش!

اختر: میری زبان رک نہیں سکتی۔ میں چیخ چیخ کر کہوں گا، دیکھو لوگو! یہ قاتل ہے، اس کے ہاتھ خون میں رنگے ہوئے ہیں۔ یہ سوسائٹی کا خوف ناک مجرم ہے یہ............

تجمل: رؤف کھڑے کیوں ہو، اس پاجی کو دھکے دے دے کر نکال دو۔ لے جاؤ اسے پاگل خانے میں، پولیس کو ٹیلی فون کرو، یہ پاگل ہو گیا ہے۔ خطرناک پاگل ہے۔ (رؤف اختر کو دھکے دے کر باہر نکالنے لگتا ہے) اختر چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے "تم قاتل ہو، تم نے قتل کیا ہے، میں خاموش نہیں رہوں گا۔" یہ آواز آہستہ آہستہ ڈوبنے لگتی ہے، تجمل دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے پیشانی کا پسینا پونچھتا ہے۔

(پردہ گرتا ہے)

(لہو اور قالین)

مشق

۱۔ مختصر جواب دیں۔

(الف) تجمل نے اختر کے بارے میں کس قسم کے خیالات کا اظہار کیا؟

(ب) اختر کا حلیہ بیان کیجیے۔

(ج) اختر کو کون تصویریں بنا کر دیتا تھا؟

(د) نیازی نے اپنی تصویریں اختر کے حوالے کیوں کیں؟

(ہ) تصویریں اختر کی نہیں ہیں۔اس انکشاف پر تجمل کا ردِّعمل کیا تھا؟

(و) سردار تجمل حسین کی کوٹھی کا نام کیا تھا؟

(ز) تجمل کی عمر کتنی تھی؟

(ح) تجمل نے اختر کو کون سی خوشخبری سنائی؟

(ط) اختر دو سال قبل کہاں رہتا تھا؟

(ی) اختر کے نزدیک نیازی کا قاتل کون تھا؟

۲۔ میرزا ادیب نے اس ڈرامے میں کیا پیغام دیا ہے؟

۳۔ ڈراما ''لہو اور قالین'' کا خلاصہ تحریر کریں۔

۴۔ اس ڈرامے کے کرداروں کے نام لکھیں۔

۵۔ مندرجہ ذیل الفاظ کی جمع لکھیں۔

منظر، تصویر، باغ، خبر، انعام، تکلیف

۶۔ متن کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے خالی جگہ پُر کریں۔

(الف) ججوں نے تمھاری تصویر کو.................کا مستحق قرار دیا ہے۔

(ب) میں نے تفصیل معلوم کرنے کے لیے.................کو بھیج دیا ہے۔

(ج) تم نے ملک کے تمام.................کے مقابلے میں یہ انعام جیتا ہے۔

(د) تمھیں مبارک باد دینے شہر کے.................آرہے ہیں۔

(ہ) سنا ہے.................پر کبھی کبھی.................بھی پڑتے ہیں۔

(و) میرے.................کی بہتری اسی میں ہے کہ یہاں سے چلا جاؤں۔

(ز) آپ کے.................کا.................ابھی زمین بوس ہو جائے گا۔

(ح) آپ سب کچھ سمجھ جائیں گے، یہ کوئی.................. نہیں ہے۔

(ط) آج سے دو سال پہلے میں ایک.................. گلی کے ایک خستہ اور.................. مکان میں رہتا تھا۔

(ی) قانون تمھیں کچھ نہیں کہے گا، مگر.................. کی نظروں میں تم.................. ہو۔

۷۔ اِعراب کی مدد سے تلفّظ واضح کریں۔

تجمل، مصور، متعجب، مستحق، اعزاز، معززین، اہتمام، سنجیدہ، معاملہ، معما

۸۔ مذکر اور مؤنث الگ الگ کریں۔

سرکار، پاجامہ، قمیص، اخبار، مصوّر، تصویر، جھونپڑی، توہین، مہمان، نمائش

۹۔ کالم (الف) میں دیے گئے الفاظ کو کالم (ب) کے متعلقہ الفاظ سے ملائیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)
تجمل	مصوّر
بابا	سیکرٹری
میرزا ادیب	سرمایہ دار
رؤف	ڈراما نگار
اختر	نوکر

۱۰۔ درجِ ذیل کے معانی لکھیں اور جملوں میں استعمال کریں۔

فن کار، شب بیداری، خوش خبری، اعزاز، کارنامہ، شیش محل، کش مکش، نمائش گاہ، سرپرستی، مصور نواز

ڈراما:

یہ میرزا ادیب کا ڈراما ہے۔ ڈراما جس یونانی لفظ سے ماخوذ ہے، اس کے معنی ہیں ''کر کے دکھانا''۔ ڈراما بھی ایک کہانی ہوتی ہے لیکن اِسے کرداروں کی حرکات و سکنات اور مکالموں کی مدد سے پیش کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ڈراما پڑھنے کی چیز نہیں ہے بلکہ پیش کرنے کی چیز ہے۔ اِس میں سٹیج، اداکاروں اور مکالموں کی بہت زیادہ اہمیت ہوتی ہے۔ یوں تو ڈراما سٹیج کے تقاضوں کو پیشِ نظر رکھ کر لکھا جاتا ہے لیکن بعض لوگوں نے ادبی ڈرامے بھی لکھے ہیں۔

میرزا ادیب کے کسی اور ڈرامے کا مطالعہ کیجیے۔

مکالمہ نویسی:

مکالمہ، باہمی کلام اور بات چیت کو کہتے ہیں۔ مکالمے میں ہم ایک دوسرے تک اپنے خیالات، تأثرات اور جذبات پہنچاتے ہیں۔ مکالمہ ہمیشہ کسی ایک متعیّن موضوع پر ہوتا ہے۔ مکالمہ اپنی اصل ماہیت کے اعتبار سے زبانی ہوتا ہے، تاہم اسے

تحریری شکل بھی دی جاسکتی ہے۔ مکالمے میں باہم کلام کرنے والے اشخاص کے جو ہر و کردار، نقطۂ نظر، شخصیت کی گہرائی، زبان پر قدرت، مسائل کو سمجھنے کی اہلیت کا پتا چلتا ہے۔

مکالمہ فطری بات چیت ہے مگر چونکہ یہ لکھا جاتا ہے اور فرضی کرداروں کے درمیان گفتگو کو مکالمے کی شکل دی جاتی ہے، اس لیے مکالمہ ایک حد تک مصنوعی بھی ہو جاتا ہے۔ تاہم اچھا مکالمہ وہ ہے جس میں کردار اپنی ذہنی سطح، اپنے طبقاتی احساس، اپنے علم و مرتبے کے مطابق گفتگو کرتے دکھائے جائیں۔ یہ نہ ہو کہ ایک طالب علم پروفیسر کی طرح اور ایک عورت مردوں کی طرح گفتگو کرتی دکھائی جائے۔ مکالمے میں گفتگو کا انداز ایسا ہونا چاہیے کہ بات سے بات خود بہ خود نکلتی جائے، تاہم باتوں کو دہرانے سے گریز کرنا چاہیے۔ مکالمے کی زبان روزمرے اور محاورے کے مطابق ہو اور مکالمے کے کردار کی شخصیت کے مطابق زبان کا انتخاب کرنا چاہیے۔

مکالمے ڈرامے کی جان ہیں۔ یہ ناول اور افسانے میں بھی لکھے جاتے ہیں۔ مکالمہ نویسی کے لیے اچھے ڈراموں کا خاص طور پر مطالعہ کرنا چاہیے۔

سرگرمیاں:

۱۔ بچوں کے مختلف گروپ بنا کر ان کے درمیان جھوٹ اور بناوٹ کے موضوع پر گروہی بحث کروائیں۔

۲۔ مختلف طلبہ کو، مختلف کردار قرار دے کر، یہ ڈراما جماعت کے کمرے میں بلند آواز سے پڑھا جائے۔

اشاراتِ تدریس

۱۔ طلبہ کو بتایا جائے کہ اسلام کی تعلیمات میں خلوصِ نیت کی بڑی اہمیت ہے۔ اعمال کی بنیاد نیتوں کو قرار دیا گیا ہے۔

۲۔ اس بات کی وضاحت کی جائے کہ دکھاوے اور دنیاوی شان و شوکت کے لیے کیے جانے والے اعمال، کبھی بھی سکون کا باعث نہیں ہو سکتے۔

۳۔ طلبہ کو میرزا ادیب کی ڈراما نگاری کی چیدہ چیدہ خصوصیات سے آگاہ کریں۔

۴۔ طلبہ کو ڈرامے کے اہم ترین عنصر ''تجسس'' (Suspense) کے بارے میں بتایا جائے۔